© rasailojaraid.com

'عرب بہار' کے نقوشِ پا
مصر کی تبدیلی کا ناکام عمل

ناتھن جے براؤن

خلاصہ:

مصر میں فروری ۲۰۱۱ء میں حسنی مبارک کے استعفے کے بعد سے جولائی ۲۰۱۳ء میں منتخب صدر محمد مرسی کا فوج کے ہاتھوں اقتدار سے اخراج کے دوران جمہوریت کی جانب اٹھایا جانے والا ہر قدم، مصر کو اپنی منزل یعنی حقیقی جمہوریت کے قیام سے دور لے گیا۔ زیرِ نظر مضمون میں ان عناصر اور وجوہات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے جن کی بدولت مصر کی سول سوسائٹی، سیاسی کارکنان، اسلام پسند اور لبرلز ___ آمریت کے خاتمے کے بعد ایک مشترکہ حکمتِ عملی تیار کرنے میں ناکام رہے۔ ان میں بظاہر سب سے بڑی وجہ اسلام پسندوں اور لبرلز کے مابین اعتماد کا فقدان تھا۔ ان تمام واقعات میں ہر فریق کے لیے سیکھنے کو بہت کچھ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ان سے کیا سبق لیتے ہیں؟

جولائی ۲۰۱۳ء میں منتخب صدر محمد مرسی کا فوج کے ہاتھوں اقتدار سے اخراج ۲۰۱۱ء میں آمرانہ طرزِ حکومت کے خلاف عوامی بغاوت کے بعد ملک کے جمہوریت کی جانب سفر کی دو سالہ کوششوں کی ناکامی کی علامت رہا۔ اس شورش و ہنگامے نے امیدوں کے چراغ روشن کیے تھے کہ خطہ شاید نئی سیاست کو پنپتا دیکھے ایسی سیاست جس میں صاحبانِ اختیار و اقتدار آزاد انتخابات کے ذریعے خود کو عوام کے سامنے جوابدہ سمجھیں؛ جس میں وہ انسانی حقوق کو روندنے کے بجائے ان کے محافظ بنیں؛ اور جس میں سیاسی اداروں کی اصلاح اس انداز میں ہو جو قاعدے اور ضابطے کے مطابق بھی ہو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سماجی ضروریات و بین الاقوامی معیارات کے مطابق بھی۔

مصر کے جمہوری تجربے کی ناکامی ناگزیر تو نہیں تھی، لیکن ایسے سنگین مسائل ضرور تھے جن پر قابو نہیں پایا گیا اور رائے دہندگان یعنی ووٹروں کو بار بار انتخابات رائے دہی کے لیے طلب کیا گیا۔ البتہ ملک کے سیاسی مسائل کا سبب صرف انتخابات ہی نہیں تھے، رائے دہی کے عمل نے مصری مملکت میں بڑھتی ہوئی دراڑوں کو کم کیا تو بسا اوقات ان میں اضافہ بھی کیا۔ اسی تقسیم نے نہ صرف مصر کی بعد از ۲۰۱۱ء کی جمہوری امیدوں کو سبوتاژ کیا، بلکہ مستقبل میں جمہوریت کی پیشرفت کے امکانات کی بھی بیخ کنی کی۔

۱۱ فروری ۲۰۱۱ء سے، جب حسنی مبارک کو استعفے پر مجبور کیا گیا، ۳ جولائی ۲۰۱۳ء تک، جب فوج نے منتخب صدر محمد مرسی کا تختہ الٹ کر انہیں حراست میں لیا، کے عرصے میں تقریباً تیس ماہ جمہوریت کے راستے پر اٹھایا گیا ہر قدم مصری معاشرے کو تقسیم در تقسیم کے راستے پر لے گیا۔

منقسم محرکات

حسنی مبارک کے جبری اخراج کے بعد حالات و واقعات کی ترتیب کے بارے میں مصر میں قابل ذکر بحث چھڑی۔ کیا انتخابات پہلے ہونے چاہییں تھے؟ اور اگر ہوتے تو کس لیے؟ کیا ایسے سوالات کو واضح کرنے کی بجائے پہلے دستور کو تحریری شکل میں آنا چاہیے؟ اگر ہاں، تو اس دوران مصر پر حکومت کیسے کی جاتی؟ اس بحث کا بیشتر حصہ معانی سے محروم تھا۔ ایسے تمام سوالات کے جوابات منقسم تھے کیونکہ فوری انتخابات کا فائدہ شہری کرداروں (Civil Actors) کو تھا جن کی تعداد زیادہ تھی دوسری جانب انتخابات کو تاخیر سے کرانے کے حامی بھی کم نہ تھے۔

اس پیچیدہ صورتحال میں مسئلہ بہتر ترتیب تلاش کرنا نہیں تھا۔ اس کے بجائے ۲۰۱۱ء کے بعد کے مصر میں جمہوری ترقی کے لیے دو چیزوں کی ضرورت تھی: عبوری دور کے قواعد پر اشرافیہ کے درمیان وسیع تر معاہدہ، اور ایک طریقہ کار جو افراد کو پس پردہ معاہدوں کے ذریعے تمام معاملات طے کرنے کے بجائے قبل از وقت اپنے اظہار کی اجازت دیتا۔ قواعد پر عام اتفاق رائے کے بغیر غارت گر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منظر نامے پر چھا جاتے؛ عوامی شرکت کے بغیر ہو سکتا ہے کہ کوئی مضبوط نتیجہ نکلتا لیکن وہ جمہوری نہ ہوتا۔

منقسم ذہنوں کے ساتھ ہونے والے انتخابات اختلافات کو حل کرنے کے بجائے ان میں مزید اضافے کا سبب بنے۔ نتیجے میں پیدا ہونے والا سیاسی بحران ڈھائی سال یعنی جولائی ۲۰۱۳ء تک جاری رہا۔ اس موقع پر ایک عوامی شورش اٹھی جس نے لاکھوں مظاہرین کو فوج کے حق میں دیکھا یہاں تک کہ عوام کی دشنام طرازیوں کی زد میں رہنے والی پولیس نے اسی صدر کو اقتدار سے اتار دیا جسے ایک سال قبل ہی مصریوں نے منتخب کیا تھا اور صرف ۶ ماہ قبل انتخابات کے موقع پر منظور کیا گیا آئین معطل ہو گیا۔

ووٹنگ بوتھوں کی طرف بار بار روانگی کا جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ جمہوری راستے پر متعدد غلط شروعات ہوئیں۔ مصریوں کو پہلے مارچ ۲۰۱۱ء میں فوج کی جانب سے حق رائے دہی کے لیے طلب کیا گیا تا کہ وہ آئینی ترامیم کے سلسلے کو منظور کریں (جسے ایک مختصر کمیٹی نے دستاویزی شکل دی تھی)۔ اسے نئے آئینی نظام کی تعمیر کا راستہ قرار دیا گیا۔ اس بالکل پہلی حق رائے دہندگی کے ساتھ انقلابی اتحاد نے خود کو بکھرتے دیکھا۔ اسلام پسندوں نے ریفرنڈم قبول کیا کیونکہ اس نے فوری عبوری عمل، اور ضمناً منتخب پارلیمان اور صدر کی واپسی کا وعدہ کیا تھا (جسے انتخابات کے ذریعے منتخب کیا جاتا، جس میں اسلام پسند زیادہ تجربہ کار تھے اور انہیں اس صورت میں فرسودہ انقلابی نوجوانوں کو برابری کی سطح پر نہ رکھنا پڑتا)۔ غیر اسلامی حلقے، اپنے تئیں، اس خیال پر مجتمع ہوتے رہے کہ پہلے آئین کو تحریری شکل دی جائے، لیکن تبدیلی کے اس عمل کے لیے مربوط متبادل منصوبہ پیش کرنے میں انہوں نے بہت کوتاہی دکھائی۔

اسلام پسندوں کا ردعمل یہ تھا کہ وہ مارچ ۲۰۱۱ء کا دستوری اعلان قبول کریں گے لیکن انتخابات کی شرط کے ساتھ، اس امید پر کہ جمہوری اداروں کے قیام کے ذریعے فوج کو ایک طرف کر دیا جائے (ایک بار ایسا ہو جاتا تو اسلام پسندوں کو بھرپور آواز اور وزن عطا ہوتا) اس کے مقابلے میں ۲۰۱۱ء کے اوائل کی شورش منظّم کرنے والے کئی گروہوں نے نئے عوامی مظاہروں کا انتخاب کیا، یعنی اپنے غم و غصے کا رخ گزشتہ حکومت سے فوجی اقتدار کی جانب منتقل کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگلے دو انتخابات ۲۰۱۱ء کے اوائل اور ۲۰۱۲ء کے اوائل میں ہوئے جن میں مصریوں نے پہلے پارلیمان کے ایوان زیریں اور پھر ایوان بالا کے لیے حق رائے دہی کا استعمال کیا۔ ان انتخابات نے اسلام پسندوں کو زبردست اکثریت دی لیکن بہت کم حلقے مطمئن ہو پائے۔ غیر اسلامی حلقوں نے اسلام پسندوں کے بڑھتے ہوئے غلبے کا خطرہ محسوس کیا۔ اسلام پسندوں نے پایا کہ ان کی پارلیمانی اکثریت کی اہمیت بہت کم ہے کیونکہ فوج نے دستوری اعلان میں اس امر کو یقینی بنایا تھا کہ جرنیلوں کی منظوری کے بغیر نئی پارلیمان کو کابینہ کے انتظامات اور قانون سازی کا اختیار نہ ہو۔

مصر میں یہ آئینی عمل ایک بالواسطہ انتخاب کے ذریعے شروع ہونا تھا۔ پارلیمان کے دونوں ایوانوں کو مشترکہ طور پر سو مصریوں کا انتخاب کرنا تھا جو حتمی دستاویز کی تشکیل کے لیے چھ ماہ لگائیں گے، جس کے بعد وہ پندرہ دنوں کے اندر رائے دہندگان کے سامنے لایا جائے گا۔ پارلیمان کو کوئی رہنمائی نہیں دی گئی کہ آخر ایک سو آئین سازوں کی حیثیت سے کیسے خدمات انجام دینی چاہئیں، اور متعدد سیاسی قوتوں کے درمیان اس معاملے پر اتفاق رائے کے لیے ہونے والی گفتگو ناکام ہوئی۔ نتیجتاً، اسلام پسندوں کی تشکیل کردہ مجلس عامہ کو غیر اسلامی افراد کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ اسے عدالت میں بھی چیلنج کر دیا گیا۔ ایک انتظامی عدالت نے اسے تحلیل کرنے کا حکم دے دیا چنانچہ پارلیمان ایک مرتبہ پھر اتفاق رائے تک پہنچنے میں ناکام رہی اور اسلام پسندوں نے تحلیل شدہ آئین ساز کمیٹی کی جگہ ایک ویسی ہی مجلس منتخب کی۔

یہ مسودہ ساز جب کام کے لیے گئے تو مئی ۲۰۱۲ء میں رائے دہندگان کو ایک مرتبہ پھر انتخابات کے لیے طلب کر لیا گیا، اس مرتبہ صدر کے انتخاب کے لیے پہلے مرحلے میں مصری عوام نے پایا کہ انہیں گزشتہ حکومت کے ساتھ وفاداریاں رکھنے والے ایک سابق جرنیل اور اخوان کی دوسری پسند ۶۰ سالہ محمد مرسی کے درمیان انتخاب کرنا ہے۔ کئی گروہوں کی پیروی کے بعد اب ان کے پاس دو کم برائیوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع تھا، اور مرسی معمولی فرق سے جیت گئے۔

ایک مرتبہ منتخب ہو جانے کے بعد مرسی نے ان اقدامات کو واپس پلٹانے کی کوشش کی۔ انہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے عدالتوں کے سامنے جھکنے اور اپنی معطلی کو قبول کرنے سے پہلے پارلیمان کا اجلاس طلب کیا۔ انہوں نے زور دیا کہ فوج کی جانب سے آئینی اعلانات جاری کرنے کا اختیار اب صدر کا ہے، اور اس کے بعد فوج کے حالیہ اقدامات کو غیر موثر بنانے کے لیے حکم صادر کیا۔ فوج نے تسلیم کیا، یہاں تک کہ مرسی کو یہ اجازت بھی دی کہ وہ فوجی افسران کی بالائی کور میں تبدیلیوں کے لیے مذاکرات کریں۔ دیگر سیاسی فریقین نے بھی مرسی کے اقدامات میں تعاون کیا، لیکن اس خطرے کو محسوس کیا کہ ایوان صدر اب احتساب سے بالاتر ہو گیا ہے۔ کئی غیر اسلامی حلقے آئینی عمل میں شرکت سے بدستور انکاری رہے جبکہ اسلام پسندوں پر تنقید میں بھی اضافہ کر دیا۔ مرسی نے ان مخالفین پر خاصی برہمی کا اظہار کیا حالانکہ وہ بآسانی انہیں نظر انداز کر سکتے تھے۔ ان کے حامیوں کو تند و تیز تنقید اور ردعمل کا سامنا رہا، بارہا آمرانہ انداز میں تقریر پر پابندی بھی عائد کی گئی جو مصر کے قانون کا بہت اہم حصہ تھی۔

نومبر تک آئین کی دستاویز مکمل ہونے کی آخری تاریخ آن پہنچی، مرسی اور ان کے دشمن خوفزدہ نظر آئے۔ صدر نے الزام لگایا کہ مخالف سیاست دانوں، گزشتہ حکومت کے عناصر اور ججوں نے سازش کے ذریعے آئینی اسمبلی کو تحلیل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، جس نے فوج کو مطیع رکھنے کے ان کے اپنے اقدامات کو ٹھیس پہنچائی اور یہاں تک کہ پارلیمان کے ایوان بالا کو بھی توڑ دیا۔ صدر مرسی نے اگرچہ عارضی لیکن مطلق صدارتی اختیارات پر زور دیا۔ نتیجہ مظاہروں کے نئے سلسلے کی صورت میں نکلا، پرانی حکومت یا فوج کے خلاف نہیں بلکہ اخوان المسلمون اور صدر کے خلاف، جن کا تعلق بھی اسی تحریک سے تھا۔

اسی ہنگامے میں آئینی اسمبلی نے جلد بازی میں اپنا کام مکمل کیا۔ صرف ایک رات کی نشست میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد انہوں نے مصریوں کو ایک مرتبہ پھر انتخابات کے لیے میدان میں لا کھڑا کیا، ایک ریفرنڈم کے لیے (جو ۱۵ تا ۲۲ دسمبر ۲۰۱۲ء کے درمیان ہوا) جس میں حزب اختلاف کی بڑی تعداد نے بائیکاٹ کیا، اور ۳۲ فیصد کا معمولی ٹرن آؤٹ دیکھنے کو ملا۔ آئین منظور تو ہو گیا لیکن بڑے شہروں کی اکثریت اس کے خلاف رہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نو منظور شدہ دستور کے مطابق مصریوں کی ووٹنگ کا سلسلہ ابھی تھما نہیں تھا۔ انہیں فروری ۲۰۱۳ء کے خاتمے سے پہلے پھر جمع کیا گیا کہ وہ جون ۲۰۱۲ء میں معطل کیے گئے پارلیمان کے ایوان زیریں کے لیے دوبارہ انتخاب کریں۔ جون ۲۰۱۳ء کے اواخر میں ایوان بالا کے آخری اقدامات میں سے ایک عدالت میں تیسرا مسودہ جمع کروانا تھا؛ عدالت کو کوئی قدم اٹھانے کا موقع ہی نہ ملا کہ سیاسی بحران نے پورے نظام کو زمین بوس کر دیا۔

۳۰ جون کو لاکھوں مصری باشندوں نے مرسی کی صدارت کے فوری خاتمے کے مطالبے کے ساتھ ملک بھر میں مظاہرے شروع کر دیے، یعنی اشارہ دیا کہ وہ مرسی کو ہٹانے کے لیے اگلے انتخابات کا انتظار نہیں کر سکتے۔ فوج نے ۳ جولائی کو مرسی کی حکومت کا تختہ الٹ کر انہیں انعام سے نوازا، مرسی اور ان کے اہم ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا، اسلامی نشریات کاروں کو بند کر دیا گیا اور اخوان کی قیادت کے خلاف متعدد اقدامات کیے گئے۔

لیکن بغاوت کے باوجود فوجی رہنماؤں نے فوری طور پر یہ ڈھنڈورا پیٹا کہ مصری مزید ووٹ دیں گے۔ آئین معطل تھا، یہ حقیقت تھی، لیکن دو چھوٹی کمیٹیاں، ایک قانونی اور ایک سیاسی، اس میں ترمیم کے لیے کام کریں گی، اور مصریوں کو ان کی منظوری کے لیے طلب کیا جائے گا۔ پارلیمان کا ایوان بالا معطل تھا، لیکن سپریم آئینی عدالت پر زور دیا گیا کہ وہ انتخابی قوانین پر نظر ثانی کی رفتار بڑھائے تاکہ نئے پارلیمانی انتخابات کی تاریخوں کا اعلان کیا جا سکے۔ اور جیسے ہی نئی پارلیمان منتخب ہو، نیا صدر بھی منتخب ہو جائے۔

خراب طرزِ عمل

اگر مصر میں جمہوریت کو ناکامی ہوئی تو اس کی وجہ حق رائے دہی استعمال کرنا نہیں تھا۔ مسئلہ انتخابات ہونا، جلدی ہونا یا بار بار ہونا نہیں تھا۔ ایسا انقلاب جو عوام کے نام پر آئے اس میں ایسا ہو نہیں سکتا کہ انہیں زیادہ عرصے تک ووٹنگ بوتھوں سے دور رکھا جائے۔ اور درست وقت پر ہونے والے انتخابات ضرور مدد دے سکتے تھے۔ اور ان کے ذریعے کسی بھی عوامی شورش کو روکا جا سکتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر میں مسئلے کی کڑیاں ووٹنگ سے نہیں بلکہ اہم سیاسی عوامل کے انتخاب سے ملتی ہیں۔ اور گہرائی میں دیکھا جائے تو مصر میں غلطی کہاں ہوئی اسے جاننے کے خواہشمند کو علم ہوگا کہ جڑیں بنیادی آمرانہ نمونوں کے ساتھ ساتھ (۲۰۱۱ء سے) عبوری دور میں بھی پیوست تھی، یہ نہ ہی حقیقی عمل تھا اور نہ ہی اس نے حقیقی منتقلی کے لیے کچھ فراہم کیا۔

سب سے پہلے ان عوامل کی ناقص پسند ظاہر ہوتی ہے۔ اخوان کا رویہ آمریت پسندانہ سے سخت گیر تک تھا۔ ان کے چند اقدامات ضرور زیرک تھے لیکن اہمیت کے اعتبار سے دور کی کوڑی تھے۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ اخوان جمہوریت مخالف تھے بلکہ ان کا جمہوریت کا تصور ہلکا اور بسا اوقات متعصّبانہ تھا؛ مثال کے طور پر، آئین ساز اسمبلی کی تشکیل کے موقع پر اخوان کے پارلیمانی نائبین نے رضامندی ظاہر کی کہ مسودہ بنانے والوں کی نصف تعداد مصری معاشرے کے متعدد اداروں اور تنظیموں سے تعلق رکھنے والے غیر جانبدار حلقوں سے منتخب ہوگی لیکن متعدد ایسے علانیہ ''غیر جانبدار'' افراد کا انتخاب کیا گیا جو اسلامی میلان رکھتے تھے۔ اخوان کے چند اقدامات درحقیقت بہت سخت تھے، جیسا کہ دسمبر ۲۰۱۲ء میں ایوان صدر کی حفاظت کے لیے تحریک کے قوی افراد کو طلب کرنا جنھوں نے مظاہرین کو زدوکوب کیا، مارا پیٹا اور ان سے تفتیش کی۔ جب جون ۲۰۱۳ء میں قصر صدارت ڈگمگایا، تو مرسی نے للکارنے اور دھمکیاں دینے کا فیصلہ کیا جس نے پہلے ہی سے سنگ دلانہ رویہ رکھنے والی حزب اختلاف کو مزید متحد کیا اور اس میں اضافہ بھی کیا۔

حزب اختلاف پر بھی غیر جمہوری رویے کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔ حزب اختلاف کے اہم افراد نے نہ صرف انتخابی عمل کی راہ سے دوری اختیار کی یا انتخابات کا بائیکاٹ کیا؛ حتیٰ کہ انھیں جب ایسے انتخابات ملے (مثال کے طور پر ۲۰۱۲ء کے وسط میں صدارتی انتخابات)، تو انھوں نے سڑکوں پر مظاہروں کے ذریعے نتائج کو زیروزبر کرنے کی کوشش کی۔ حزب اختلاف نے آئینی اسمبلی کی تشکیل پر گلہ کیا لیکن اپنے آئینی تصور کو پیش کرنے کے لیے بہت کم کوشش کی، بلکہ غیر اسلامیوں کو مجلس سے دستبردار ہونے کے لیے دباؤ ڈالا۔ ہر وہ گناہ جس کا الزام حزب اختلاف اخوان پر لگاتی ہے جیسا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مظاہرین کے خلاف طاقت کا استعمال، ججوں کے اخراج کی کوششیں، سیکورٹی عملے کے برے برتاؤ سے انکار بلکہ ان کی حوصلہ افزائی، ذرائع ابلاغ کو ہراساں کرنا کو حزب اختلاف نے جولائی ۲۰۱۳ء میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ خود بھی اختیار کیا۔

بلاشبہ اس امر کو تسلیم کیا جانا چاہیے کہ دونوں الزامات اوران کے ردعمل میں بے انصافی اور مبالغہ آرائی شامل تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اخوان نے آئینی عمل میں غلبہ حاصل کیا تھا، لیکن یہ واضح نہیں کہ غیر اسلامی کسی بھی ایسے عمل کو تسلیم کرتے جس میں اسلام پسندوں کی انتخابی طاقت جھلکتی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ اخوان نے جب بھی مصالحت کی بھدی سی کوششیں کیں غیر اسلامی حلقوں نے تندخو رویہ اپنایا، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ مصری سیکورٹی افواج نے اخوان کے دفاتر اوران کی سیاسی جماعت کو سنجیدہ حملوں سے بچانے کے لیے چنداں کوشش نہیں کی۔

ناکامیوں کی وجوہات پر غور کریں تو مصر کے آمریت پسندانہ ماضی کے بھاری وزن کو نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ اس ورثے اوراس عنصر نے جواب تک کلیدی کرداروں کی گرفت میں نہیں، چار طرح سے اپنا احساس دلایا:

ا۔ واضح ترین یہ کہ آمریت پسند عناصر نے اپنے کیے گئے اور نہ کیے گئے کاموں کے ذریعے تبدیلی کے عمل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مصری فوج روزمرہ کے عام معاملات پر براہ راست گرفت رکھنے کی خواہاں نہیں، لیکن اس نے سویلین حکومت کی جانب سے اپنی نگرانی کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور ایک سال سے زائد عرصے سے کلیدی فیصلوں پر اجارہ داری قائم کررکھی ہے۔

سویلین سیاسی کرداروں کے لیے نمونہ یہ تھا کہ وہ فوج کے موافق رویہ اختیار کریں بجائے اس کے کہ اس کے مخالف کھڑے ہوں۔ مرسی صدارت نے یہ حکمتِ عملی ایجاد نہیں کی، گرچہ ابتداء میں وہ اسے پختہ کرتے دکھائی دیے لیکن یہ چال بالآخر مہلک ثابت ہوئی۔ سویلین حزب اختلاف نے فوج کو تحریک دی کہ وہ مرسی حکومت کا تختہ الٹے لیکن فوراً ہی جانا کہ اس نے فوج کو ایسا اشتعال دے دیا ہے جو ان کے کنٹرول سے باہر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ دہائیوں پر محیط آمرانہ اقتدار نے اپنے پیچھے ایک غیر متوازن سیاسی منظر نامہ چھوڑا تھا جس نے انتخابات کو اسلام پسندوں کے حق میں جھکایا اور غیر اسلامیوں کے بیلٹ کو سخت ٹھیس پہنچائی۔ یہ بات نہیں کہ حسنی مبارک کی حکومت نے غیر اسلامیوں کے ساتھ اسلام پسندوں سے بھی برا رویہ اختیار کیا تھا اس کے برخلاف اسلام پسندوں سے کہیں زیادہ بے رحمانہ سلوک کیا گیا۔ لیکن کیونکہ آمرانہ اقتدار میں باضابطہ سیاست میں حصہ لینا پسندیدہ نتائج نہیں لاتا، اس لیے غیر اسلامی پارٹیوں کی توانائیاں ۲۰۱۱ء میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ اپنے وسیع تر سماجی ایجنڈے کے ذریعے اسلام پسند گہری اور زیادہ جامع انجمنیں رکھتے تھے جنہوں نے فوری طور پر انتخابی عمل کا رخ کیا۔ غیر اسلامیوں کے پاس اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ نہ تھا (اور بیشتر تو ایسی انجمنیں بنانے کا میلان بھی نہیں رکھتے تھے)۔

۳۔ آمریت کا بنیادی ڈھانچہ بدستور موجود تھا۔ ایمرجنسی کی باضابطہ صورتحال کی تقریباً مستقل موجودگی کو ۲۰۱۲ء میں اختتام کو پہنچنا چاہیے تھا، لیکن استبدادی مشقیں اور طریقے قانون اور اداروں میں اس درجے تک پیوست تھے کہ کبھی کبھار وہ سیاسی حریف لگتے کیونکہ ایک دوسرے کے ساتھ معاملے کا واحد طریقہ انہی خطوط پر استوار تھا جو ماضی میں ایک دوسرے کے خلاف کھینچ دیے گئے تھے۔ حسنی مبارک تو چلا گیا، لیکن اس کی پیروی کرنے والے طاقتور افراد اب بھی موجود تھے۔

مثال کے طور پر عدالت اور مذہبی ادارے اپنی قلم رو میں واضح آزادی کے ساتھ کام کرنے کے قابل تھے اور نئے منتخب شدہ اداروں (صدارت اور پارلیمان) کے خلاف مزاحمت کے قابل تھے۔ بالخصوص عدالتیں مزاحمت کرتے فریقین پر نگرانی سے بھی آگے نکل گئیں اور خود کو دوام بخشنے کے لیے اس مقام تک گئیں جس نے جمہوری طور طریقوں کی جڑیں کاٹ دیں۔ ججوں نے عدالتی میدان پر پارلیمان اور ایوان صدر کے اختیارات کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ ان کی قانونی حیثیت پر حملے کر کے ان کو نقصان پہنچایا۔

۴۔ مصریوں نے جانا کہ آمرانہ سیاست بالخصوص وہ برانڈ جس کے وہ ایک عرصے سے تابع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے ـــــ اپنے بے معنی انتخابات اور کھوکھلے پن کے باوجود گو کہ باضابطہ جمہوری عمل ہیں۔ لیکن جمہوریت کا ایک خراب مکتب ہے۔ جمہوری وعدوں پر عدم اعتماد نے انتخابی قوانین کے قواعد وضوابط پر عدم اعتماد اور بدگمانی کے بادل گہرے کردیے، جس نے شہری و سیاسی معاشرے میں صحت مندانہ اداروں کا استحصال کیا، اور حزب اختلاف کے لیے تقسیم کرو اور حکومت کرو کے طریقے کی حوصلہ افزائی کی، یوں مطلق العنان سیاست لب گور سے جمہوریت کی جانب سفر کے لیے جہدِ لنگ کرنے لگی۔

خراب انتخاب

اگر آمرانہ ماضی مصری سیاست پر بہت زیادہ اثر رکھتا تھا تو شورش کے بعد عبوری ''منصوبے'' نے، اگر اپنا وجود رکھتا تھا تو، صرف معاملات کو خراب ہی کیا ـــــ ارادتاً نہ سہی تو حادثاتی طور پر ہی۔ مصر کا عبوری دور؛ بری طرح نہیں بلکہ درحقیقت سرے سے تیار ہی نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی اصلی ناکامی عاقبت نااندیش فیصلوں کے سلسلے سے شروع ہوئی جسے عام طور پر بامعنی بنایا گیا تھا لیکن تنگ نظر کرداروں نے خود کو فروری اور مارچ ۲۰۱۱ء میں محدود اختیار رکھنے والے عہدوں کے لیے دوڑتا پایا۔ بادی النظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جامع بحث مباحثہ، جو آئین سازی کے سلسلے کو کیسے جاری رکھا جائے اور نیا صدر اور پارلیمان کیسے منتخب کیے جائیں کے موضوعات پر گھومتا تھا، نے صرف حقیقی غلطیوں کو چھپانے ہی کا کام کیا۔

سب سے بنیادی مسئلہ سیاسی معاملات پر گرفت تھی جو بغیر کسی وجہ کے فوج کی اعلیٰ کمان کے ہاتھوں میں چلی گئی، اس کی کوئی وجہ نہ تھی سوائے اس کے کہ فوج نے خود اس کا دعویٰ کیا اور کوئی بھی متبادل کے ساتھ بروقت اس کے سامنے نہیں آیا۔ سب سے بہتر خیال جو سماعتوں سے ٹکرایا وہ ایک صدارتی کونسل کا مطالبہ تھا جو اہم سیاسی قوتوں کو مجبور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو (بالفرض کہ انہیں شناخت کیا جاسکتا ہو اور وہ اپنے اختلافات کو قابو میں رکھ سکیں) تاکہ بالاتفاق رائے آگے بڑھا جا سکے۔ لیکن انقلابی گروہ اس نکتے پر متفق نہیں ہوا یہاں تک کہ بہت دیر ہوگئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں فوج اگلا قدم اٹھانے کے لیے آزاد قرار پائی۔ بنیادی قانون کو بہتر بنانے کے لیے جامع انداز میں اور باریک بینی سے مشاورت کی جاتی تو نتائج کو بہتر بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن جرنیل مشاورت کے معاملے میں ہمیشہ برے ہوتے ہیں، اور بعد ازاں پہلا آزادانہ منتخب صدر کہیں زیادہ بدتر ثابت ہوا۔ یوں مصر کے حکمرانوں نے یکطرفہ تبدیلیوں کا اعلان کر ڈالا جس کے نتائج آخر میں بھیانک نکلے۔

مارچ ۲۰۱۱ء کے ریفرنڈم کے عمل سے ہی بدگمانیاں واضح ہونے لگیں۔ اسلام پسندوں نے شک کا اظہار کیا کہ ان کے انقلابی شراکت داروں کا حقیقی ایجنڈا انتخابات کو تاخیر کا نشانہ بنانا ہے، اس خوف کی وجہ سے کہ اس میں اسلام پرستوں کی کارکردگی کیسی ہوگی۔ غیر اسلامیوں نے محسوس کیا کہ اسلام پسند ووٹ کے لیے بہت زور ڈال رہے ہیں، اس لیے انہیں ان کی راہیں روکنا ہوں گی۔

سیاست میں ایسی حریفانہ کشاکش بذات خود بری نہیں۔ زیادہ سنجیدہ مسئلہ یہ ہے کہ ان معاملات کا تصفیہ مذاکرات، مفاہمت اور اتفاق رائے سے نہیں بلکہ دباؤ، نکتہ چینی اور جرنیلوں کے ساتھ سودے بازی کے ذریعے نکلا۔

سیاسی مشینری پر اٹھنے والے سوالات پر اختلاف ۲۰۱۱ء کے اوائل میں اتنا زیادہ نہیں تھا، اور اتفاق رائے کی تدبیر نکالی جا سکتی تھی۔ انقلاب کے بعد سیاسی ترتیب نے پورے سیاسی منظر نامے کو متحد کیا ایک کمزور صدارت، آزادی کے مضبوط محافظ، زیادہ جمہوری عمل اور عدلیہ کی آزادی۔ لیکن چھوٹی عبوری کمیٹی، جس نے جلد بازی میں کام کیا، نے کئی باضابطہ ٹائم بم تخلیق کیے۔

۲۰۱۱ء کے اوائل میں کچھ عرصے کے لیے ایسا محسوس ہوا کہ ایک بڑے عمل کے لیے خیر سگالی پیدا کی جا سکتی ہے۔ لیکن انقلابی اتحاد کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی بہت کم نے اتفاق کو فائدہ مند معاملہ سمجھا۔ ۲۰۱۲ء میں پھر موسمی کوششیں ہوئیں، لیکن آئین ساز اسمبلی کے اراکین کے انتخاب کا وقت آ گیا، یا ۲۰۱۳ء کے اوائل میں جب مرسی اور حزب اختلاف کو قریب لانے کی مقامی و بین الاقوامی ثالثی کوششیں ہوئیں لیکن بدگمانی کے ماحول میں ناکام ہو گئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناکامی کا مطلب

مصر کی جمہوری رسوائی کا سبب صرف انتخابات میں ہی پنہاں نہیں تھا۔ گوکہ جمہوری سیاست کی عام حقیقتیں ہر جگہ کچھ خوش نما نہیں ہوتیں، اس کے باوجود وہ ایسے حقیقی امکانات ضرور پیش کرتی ہیں جن کی عرب معاشروں کو زبردست آرزو ہے۔ لیکن وہ جو پہلی بار جمہوریت تشکیل دینے جارہے تھے انہیں اسے آمریت کی بنیادوں پر ہی کھڑا کرنا تھا۔ مطلق العنان حاکم سے چھٹکارا پانا، ان کے بنائے گئے ڈھانچوں یا سیاسی عمل پر ان کی جانب سے لگائے گئے داغوں کو دھونے سے آسان ہے۔ مصر کی بعداز ۲۰۱۱ء سیاست ماضی کے ورثے پر غالب نہ آسکی۔

ناکامی ناگزیر نہ تھی۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے کہ ایسے مواقع تھے جب مصر کا راستہ بہت مختلف موڑ لے سکتا تھا۔ ۲۰۱۲ء کی پہلی سہ ماہی میں آئین ساز اسمبلی کے معاملے پر تصفیہ ہوتا، تو ایک زیادہ باہمی رضامندی سے بنا ہوا عمل ابھرتا؛ اخوان کے اندر صدارتی امیدوار کو پیش کرنے کے معاملے پر اختلاف ہوتے یا ۲۰۱۲ء کے پہلے مرحلے کے صدارتی نتائج میں کچھ فرق ہوتا، تو ہوسکتا ہے آخری دوڑ کچھ مختلف ہوتی؛ صدر مرسی سیکھتے کہ اپنی تنگ بنیادوں سے آگے کیسے دیکھیں، ۲۰۱۳ء کے وسط کا ہنگامہ کبھی نہ ہوتا۔ جون ۲۰۱۳ء کے آخر تک بھی، اگر ایوان بالا آئینی عدالت سے منظورشدہ انتخابی قانون کی منظوری میں کامیاب ہوجاتا تو مقابلہ انتخابی مہم کی شکل میں ہوتا نہ کہ بڑے پیمانے پر سڑکوں پر مظاہروں اور فوجی بغاوت کی صورت میں۔

مختصر یہ کہ ضائع کیے گئے مواقع بہت زیادہ تھے، جس نے تین قسم کے سبق سکھائے جمہوریت کے طلبہ کے لیے، اسلام پسندوں کے لیے اور مصریوں کے لیے۔

آمرانہ اقتدار میں تبدیلی چاہنے والوں کے لیے مصر کا تجربہ ایک سخت سبق تھا: نہ صرف وقت، ترتیب اور قواعد کے بارے میں فیصلے سیاسی نتائج پر بڑا اثر رکھتے ہیں، بلکہ یہ فیصلے بذات خود گہرے سیاسی عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں جب سیاسی زندگی کے بنیادی قواعد غیر واضح ہوں، مستقل تبدیل ہورہے ہوں، اور شکستہ ہوں۔ سیاسی عمل کے باہر کوئی ایسی طاقت نہیں جو تبدیلی کے اس عمل کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیار کرتی ہے؛ ایسی کوئی مہلت نہیں جب سیاست سے دستبردار ہو کر سیاسی نظام کو قدیم ماحول میں تیار کیا جا سکے؛ کوئی جادوئی لمحہ نہیں ہوتا جب سیاسی کردار اپنے اہداف، اقدار اور تجربات کو ایک جانب رکھ دیں اور روزمرہ کی سیاسی جدوجہد سے دور کھڑے ہو جائیں۔

جرنیلوں نے، جنہیں فروری ۲۰۱۱ء میں تبدیلی کے عمل کو چلانے کے لیے کھلی چھوٹ دی گئی تھی، یہ کام ایسے کیا جس سے ان کے ادارہ جاتی مفادات کا تحفظ ہو بلکہ اصلاحات کے مقابلے میں مصر کی آمرانہ حالت کے اہم حصوں کی فصیل بندی کر دی۔

جب ۳۰ جون ۲۰۱۳ء کی عوامی جدوجہد کا اختتام ۳ جولائی کی فوجی بغاوت کے ساتھ ہوا، تو مصر ۲۰۱۱ء کی غلطیوں کا محصول ادا کرنے لگا۔ ملک کے مسائل کو چند انفرادی بدکرداروں کے کام، اداروں کی اصلاح کے لیے افراد کی صفائی کی غلط فہمی، اتفاقِ رائے کے ساتھ آئین کی تیاری میں ناکامی، مخصوص ادارہ جاتی مفادات کو گفتگو سے دور رکھنا، اور عوام کی بامعنی شرکت میں ناکامی کو دیکھنا۔ لیکن ایسا محسوس کرنا کہ ''مصر'' ایک مرتبہ پھر وہی غلطیاں دہرا رہا تھا، یہ بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مصر کی پوری قوم نہیں بلکہ چند افراد تھے جو حرکت میں تھے۔ بجائے اس کے مختلف سیاسی عوامل (فوج، چند عدالتی افراد، سیکورٹی عناصر، سیاسی تحریکوں کی مختصر تعداد) مصر کے نام پر فیصلے کر رہے تھے، خود پر اس اعتماد کے ساتھ کہ وہ بحیثیت مجموعی قوم کے محافظ ہیں۔

اگر تجزیہ کاروں کے لیے یہ سبق ہے کہ تبدیلی کا عمل تیار (ڈیزائن) نہیں کیا جاتا بلکہ یہ سیاسی طور پر تشکیل پذیر ہے، تو اسلام پسندوں کے لیے سبق کہیں زیادہ غیر واضح ہے۔ اسلام پسند مرسی کی صدارت سے واقعی بہت کچھ سیکھنے کی کوشش کریں گے، لیکن اس کے لیے انہیں خاصا وقت لگے گا۔ گزشتہ نسل سے عرب دنیا کی مشہور اسلامی تحریکیں بہت زیادہ سیاست زدہ ہو گئی ہیں ___ انتخابات میں حصہ لینا، عوامی اختیار کی خواہش، اس یقین کے ساتھ سیاسی عمل میں شرکت کہ اسلامی ایجنڈے کے فروغ کے لیے یہ بہترین راستوں میں سے ایک ہے، خواہ یہ سیاسی عمل بجائے خود متعدد نقائص کا حامل ہو۔ مصر کی اخوان المسلمون اس طریقے کو اپنانے والی سب سے بڑی تحریک ہے، اور ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۳ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک اس کی سیاست میں سرمایہ کاری توقع سے زیادہ اچھے انداز سے جلدی نتیجے دیتی دکھائی دیتی تھی۔ اسلام پسندوں نے پارلیمانی انتخابات میں کامیابی سمیٹی، صدارت حاصل کی، اور دستور سازی کے عمل پر غلبہ حاصل کیا۔ اسلامسٹوں کی نہج پر اخوان کے مخالفین بھی اسی راستے پر دوڑنے شروع ہو گئے ہیں۔

اخوان المسلمون کے لیے اب کیا؟

جولائی ۲۰۱۳ء میں، اچانک حاصل ہونے والی کامیابی اچانک خاتمے پر منتج ہوئی۔ مرسی صدارت بلاشبہ اخوان کی تاریخ کی بڑی ناکامیوں میں سے ایک تھی۔ تحریک اس سے کیا سبق سیکھے گی؟

اخوان المسلمون (اور بالعموم اسلام پسند) یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کی ناکامی ان کے غلط اندازوں کا نتیجہ تھی۔ اور یقیناً ایسا ہی نظر آتا ہے کہ مرسی اور اخوان نے ہر وہ غلطی کی جس کا ادراک کیا جا سکتا تھا بشمول چند وہ بھی (سیاسی طاقت پر جلدی پہنچنا یا دوسروں کے ساتھ اتحاد بنانے میں ناکامی) جن کے بارے میں وہ سمجھتے ہیں کہ آئندہ کے لیے انہوں نے کافی کچھ سمجھ لیا ہے۔

یہ مشاہدہ تدبیرات سے آگے جا سکتا ہے اور بنیادی تنظیمی مسائل کے بارے میں نئی سوچ کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے۔ باوجودیکہ حسنی مبارک کی حکومت گرنے کے بعد اخوان نے خود کو قومی جماعت کی حیثیت سے ازسرِنو منظم کیا تھا، لیکن یہ تحریک کھلے جمہوری مقابلے کے لیے نہیں بلکہ آمرانہ دباؤ تلے لچک پیدا کرنے کے لیے تھی۔ اس میں سب سے آگے شخصیات تھیں، بشمول خود مرسی کے، جنہیں ''تنظیمی آدمی'' کہا جاتا ہے لیکن وہ اخوان کی سوچ سے آگے کی دنیا سے کم ہی نمٹے۔ اس محدودیت کا کامل ادراک ظاہر کر سکتا ہے کہ اخوان نے خود کو علاحدہ کر لیا تھا اور سیاسی کھیل کو اپنے بعد از حسنی مبارک گروہ کے لیے چھوڑ دیا تھا، یعنی آزادی و انصاف پارٹی کے لیے (ایسی جماعت جس کے بارے میں اخوان نے مختصر عرصے کے لیے فیصلہ کیا تھا)۔ معاملات مزید خراب ہو جاتے اگر تحریک کی جانب سے اعلان ہو جاتا کہ اس کے اراکین اپنی پسند کی کسی بھی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں، ایسا خیال جس کی ۲۰۱۱ء میں نوجوان اخوان کارکنان نے حمایت کی تھی۔ کسی بھی راستے (زیادہ خودمختار جماعت یا براہ راست کوئی سیاسی کردار نہیں) کی پیروی موجودہ رہنماؤں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے بہت مشکل ہوتی ____ کیونکہ ان کا خمیر ہی نظام مراتب، تعاون اور نظم وضبط سے اٹھا تھا۔

لیکن اگر اسلام پسند اس قسم کے خیالات پر غور اور خود تنقیدی عمل میں شامل ہوں، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اخوان کا یہ خیال غلط تھا کہ انہیں نہ صرف انتخابات جیتنے دیا جائے گا، بلکہ حکومت کی بھی اجازت ہوگی۔ اسلام پسندوں کی نظروں میں مرسی کی صدارت ۱۹۹۰ء کی دہائی کے الجزائر کے اسلامک سالویشن فرنٹ کے تجربے (کہ جب فوج نے اسلام پسندوں کو فتح سے روکنے کے لیے انتخابی عمل کو روکا) یا ۲۰۰۶ء میں حماس (جب اسلام پسند گروہ نے فلسطینی انتخابات جیتے اور نتیجہ مقامی حریفوں و بین الاقوامی کرداروں کی جانب سے حکومت کرنے سے روکنے کی صورت میں نکلتا دیکھا) جیسی ہوتی۔ یہ تشخیص طویل بنیادوں پر ہوگی، لیکن اس کا اشارہ کس طرف ہوگا؟ کیا یہ تحریک کو سیاسی کام ختم کرنے کی طرف لے جائے گی؟ افراد کو اخوان چھوڑنے، یا اخوان کو یہ تعین کرنے کی جانب کہ وہ ضرور سیاست میں حصہ لے گی لیکن پرامن انداز میں نہیں؟

جمہوری مستقبل کی آرزو رکھنے والے مصریوں کے لیے سیکھے گئے اسباق بالکل ویسے ہی ہو سکتے ہیں جو کہ اسلام پسندوں نے ترتیب دیے۔ سب سے بڑا سبق یہ ہوسکتا ہے کہ ''کامیابی آپ کو حیرت زدہ نہ کر ڈالے''۔ جب دہائیوں پر محیط حسنی مبارک کا اقتدار ۲۰۱۱ء کے اوائل میں اچانک اور زبردست انداز میں خاتمے کو پہنچا، تو جیتنے والے انقلابیوں نے خود کو بکھری ہوئی آمرانہ صدارت کے ملبے کا نظارہ کرتے پایا، وہ بھی بغیر کسی مشترکہ پلیٹ فارم کے اور بغیر کسی انتظامی ڈھانچے کے کہ جو انہیں تحریر چوک کے اعلانات کی بنیاد پر حتمی فیصلے تک پہنچنے میں رہنمائی کرتا۔ سیاست سے نفرت کے اظہار اور فوج کو معاملات کو اپنی گرفت میں لیتا دیکھ کر، انقلاب لانے والوں نے ظاہر کیا کہ وہ آمریت کے مہلک ورثے کو زیر کرنے کی مشترکہ سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے۔ جون ۲۰۱۳ء میں ایک نئی مصری انقلابی تحریک نے بھی یہی غلطی کی، اور فوج کو ایک مرتبہ پھر اقتدار پر قبضہ کرنے کی کھلی چھوٹ دی۔

جمہوریت کی تشکیل میں مصری ناکامی سے بچا جا سکتا تھا، لیکن اب بھی اس کے ایسے اثرات ہوسکتے ہیں جو بہت تباہ کن اور دیرپا ہیں۔ اس کے بجائے ناکامی نے جمہوری ساخت پر بے اعتمادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کی کیونکہ اس سے اختلافات ابھرے، کم از کم موجودہ حد تک تو ضرور۔ اسلام پسندوں نے ایسا محسوس کیا کہ بیلٹ بکس پر جیتنے کے بعد انہیں اقتدار حاصل کرنے کے حق سے محروم کیا گیا۔ جبکہ ان کے مخالفین نے ''بیلٹوکریسی'' کی نادان اکثریت کی مذمت کی لیکن جب سڑکوں پر مظاہروں کا معاملہ آیا تو اخوان المسلمون کے مقابلے میں انہوں نے بے رحمی سے ویسی ہی اکثریت کا ثبوت دیا۔

اور یہ مرسی صدارت کی سب سے بھاری قیمت تھی ___ جس نے کم از کم اس وقت تک تو ایسا مصر چھوڑا ہے جس میں جمہوریت کا خیال اپنے معنی و معیار کھو چکا ہے۔

[ناتھن جے براؤن جارج واشنگٹن یونیورسٹی میں سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر اور کارنیگی انڈاؤمنٹ فار انٹرنیشنل پیس کے غیر مقیم سینئر ایسوسی ایٹ ہیں۔]

(ترجمہ: فہد کیہر)

Source: Nathan J. Brown, "Tracking the 'Arab Spring' - Egypt's failed transition", *Journal of Democracy*, Vol 24, Number 4, October 2013.

© rasailojaraid.com